

سپاہی - لکھنؤ میں ایسا ہی مذاق ہوتا ہو گا — اور تو کہیں نہ دیکھا
نہ سنا —

بُون کو غُش آگیا۔

پاہنچ

لواپ مرزا اور موسیٰ تھائی سے ریل میں ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے پتہ اب بی پاکٹ بک میں لکھو لیا تھا، فوراً دستار دیئے ایک تاران کی زوجہ کے پتہ سے سعادت گنج، دوسراتار خورشید مرزا کو صرف لکھنؤ کے پتہ سے دلوں تار پہنچ گئے تار کا مضمون یہ تھا۔

”لواپ مرزا مصوّر ساکن لکھنؤ پارسی ہو ٹول میں سخت ذخیر ہوئے۔ پولس اسٹال میں ہیں، مراد غلی گرفتار ہے۔“

آخرتی ہائے، میری شیرخواہی میں غرب کا یہ حال ہوا، ان کے جویں نجی ہیں کوئی جان کو کوئی نہ گے۔ خدا جانے لواپ مرزا کے لکھر میں بھی اطلاع ہوئی یا انہیں حکیم جعفر علی صاحب کو بلانا چاہئے، حکیم جعفر علی ابھی دودن ہوئے سفر سے آئے ہیں۔ کس منہ سے کہوں کہ آپ بھی جائیئے، ما موں جان ابھی تک بیماری سے ناطقت ہو رہے ہیں۔ اتنے میں حکیم جعفر علی آگئے، تار کا مضمون سُن کے سخت پریشان ہوئے۔ اس مرد دو مراد غلی نے یہ کیا کیا؟۔

ہر مرزی اور ان کی ماں:- دیکھئے اُس چھوکری (بُوٹن) پر کیا بی ہوگی، وہ تو گرفتار ہے یہ بھی کی گلیوں میں بھیک مانگتی پڑھتی ہوگی۔

حکیم جعفر علی کیا کہوں بہن ہر مرزی کا اس موقعہ پر جانا ضروری ہے۔ ما موں جان ضرور جائیں گے۔ مگر سب سے پہلے لواپ مرزا کی بیوی کو خبر کرنا چاہئے کس منہ

سے کہوں گا، اس لئے کہ وہ جانتی ہیں کہ میری اور ان کی رائے ہتھی۔ اب میرا ہی نام ہو گا کہ میں لئے بھیجا تھا۔

اختری۔ نہیں پس نواب مرزا صاحب کی بیوی کو خوب جانتی ہوں وہ ان عورتوں میں نہیں ہیں جو جھوٹا الزام کسی پر رکھیں۔ آپ فوراً خبر کریجئے، ابھن ہر مرزا کو اور ان کو ہمراہ لئے جائیے۔

حکیم جعفر علی۔ اچھا تو اب دیر نہ کرنا چاہئے پہلے میں اموجان کے پاس جاتا ہوں۔ پھر نواب مرزا کے گھر جاؤں گا۔

خورشید مرزا سے اور حکیم جعفر علی سے چند ہی منٹ کی گفتگو کے بعد بمبئی کے سفر کا ہنسیہ ہو گیا۔ ہر مرزا کا جانا بھی ضرور سمجھا گیا، نواب مرزا کے مکان پر امام علی ملازم کو بھیجا۔

خورشید مرزا اور حکیم جعفر علی ابھی باقی کر رہے تھے کہ امام علی پٹک کے آگیا۔

امام علی۔ نواب مرزا صاحب کے گھر میں کل شام ہی کو بمبئی سوار ہو گئیں۔

میں لے گھر میں جا کے دیکھا اکیب بڑھیا ماما ہے اور ددلوں بچے کیسے بلک بلک کے رو رہے ہیں۔

خورشید مرزا۔ تو کیا بچوں کو چھوڑ گئیں۔

جعفر علی۔ کیا کہ تم بچوں کو پر دلیں میں کہاں لئے پھر تین دوسرے شاید

روپیہ بھی نہ ہو۔

خورشید مرزا۔ تو ہمارا کہلا بھیجا ہوتا۔

جعفر علی۔ وہ لوگ اس منش کے نہیں ہیں۔

خورشید مرزا ہم کو تو اعانت کرنا چاہئے۔

جعفر علی۔ ممکن ہو تو بچوں کو بلوایجھئے۔

نادری اور اختری دو ہزار سوار ہو کے لگیں دو ہزار بچوں کو بھالے کے ساتھ لائیں۔ یہاں آکے ذرا بہل گئے۔

خورشید ہرزا۔ نواب مرتضیا صاحب کی بیوی نے بڑی جلدی کی۔ ہر مرزی کو اُنھیں کے ساتھ کر دیتے۔ خیراب میں لیتا جاؤں گا۔

حضر علی صاحب اپنے گھر گئے جلد جلد سفر کا سامان کیا۔

اختری نے خود بھی ہمراہ چلنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر بعض مصلحتوں سے اُن کا جانا ملتوی رہا۔

یہ لوگ بدبی کو روایہ ہو چکے ہر مرزی زندگانی میں ساتھ گئیں۔ چادی پیچہ کر کے باہر نکلنے میں اُن کو بالکل تکلف نہ تھا۔ زینب بیگم کی رڑکی اُن کے لئے ایک برکت تھی۔ ہزار بیٹے ٹھدے کئے تھے اس دنیا میں سوائے ماں کی اطاعت اور خدمت گذاری کے اُن کو نہ کسی بات کا شوق تھا نہ حوصلہ اتنی زندگی سخت گستاخت میں لبر ہوئی تھی خود تکلیفیں اٹھا یہیں مگر ماں کا دل کبھی میلانہ نہ ہوئے دیا۔ عین جوانی میں بڑھیوں کا سامراج تھا جو کچھ ماں سے بچا کھھا وہ آپ کھالیا۔ گزی کارا ہاپن لیا۔ مگر صاف سُتھرے کپڑے سیدھی سیدھی کنکھی، سادہ لباس، غوطہ طہارت نماز روزہ پڑھنے کا شوق اختری کے ساتھ سے اُن کو بہت فائزہ پہنچی اختری کو بھی پڑھنے سے شوق تھا جس کتاب کی ضرورت ہوئی فوراً منگائی، جانی ددا۔ ایک اخبار بھی آتے تھے جس کتاب کا استھار نظر رہا اور مفید مطلب سمجھی گئی اختری نے فرمائش کا کارڈ بھیجیا اور دیلوں پر آتے ہیں۔ بخلاف ان دونوں کے نادری اور جعفری کے پڑھنے لکھنے سے کچھ کام نہ تھا۔ نادری کو تصدیکہائی کی کتابوں کے سوا اور کسی قسم کے مطالعہ سے شوق نہ تھا۔ جعفری کے نزدیک یہ بھی فضول تھا۔ جعفری کا مزاج کسی کی سمجھبہ میں نہ آیا، جس گھر کو وہ پہنچنے باپ کا گھر سمجھبہ ہے۔

تھی اب اُس کو معلوم ہوا کہ اختری کے ہاتھ پکا ہوا ہے۔ باپ انور شید مرزا کے پاس سوا یئے پیش اور وثیقہ کے کوئی آدمی کا ذریعہ نہیں ہے۔ باغ سے میوہ گاؤں سے غلہ اب بھی آئے جاتا ہے مگر وہ اب اُس کے باپ کا مال نہیں ہے۔ اختری کا ہے۔ اختری نے اپنی سیر شمی اور فیاضی سے کبھی ان چیزوں کو آنکھ اٹھا کے بھی نہیں دیکھا گویا اُس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ مگر جعفری غیر کا مال سمجھہ کے ایک دانہ کسی کو ہاتھ اٹھا کے نہ دیتی تھی۔ خانہ داری کا انتظام انماج توں کے دینا، کھانا پکانا نا اُسی کے ذمہ تھا۔ کھانا پکنے سے پہلے وہ اختری کے پاس پکانے والی کو بھیج کے پچھوالي تھی کیا پکایا جائے گا۔ اختری کو اس غربت سے بھی ملال ہوتا تھا۔ وہ لاکھ چاہتی تھی کہ جعفری اس کے ساتھ میل کر لے مگر وہ کسی طرح ملنے والی نہ تھی۔

ابھی تک اختری سے اُس دن کے بعد جب سے وہ گھر سے نکالنی کئی تھی سامنا ہوا تھا۔ آخر انور شید مرزا کے متبیٰ ردانہ ہونے کے بعد زینت بیگم نے اختری کو جعفری سے گلے ملوادیا۔ اختری خود ہی جھک ملی۔ الٹی معذرت کی۔ اختری۔ ماموں جان کے بعد میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھتی ہوں، آپ کھائی پکوائی مجھکو بھی جس طرح ہاتھ اٹھا کے دیتی تھیں دیجئے۔ اپنی بھوپالی سمجھتی ہے کہ جنہیں نہ سمجھتے لونڈی سمجھتے۔ مجھے زندگی بھر عذر نہ ہو گا، کیا کہنا اختری کا۔ جعفری۔ لَسْ لَسْ۔ آپ کی خوبیوں میں کوئی شک نہیں مجھے یقین ہے کہ جو اس کہتی ہیں وہی کرس گی، مگر میں اس قابل نہیں ہوں۔ میں اُس درجہ پر رہنا چاہتی ہوں جس درجہ پر خدا نے مجھکو رکھا ہے۔ ایسی جھوپی حکومت مجھکو منظور نہیں جب میں محاکم ہوں تو حاکم بن کے کیوں بیٹھوں، میں آپ کی اطاعت کر لے کو حاضر ہوں مگر مجھے بنائیے نہیں۔

اختری۔ ”کو اس اکھل کھرے پن سے بہت ملاں ہوا۔ مگر اس کا کوئی علاج نہ تھا۔ ایک شخص کی طبیعت ہی اسی دھنگ کی تھی۔ آخر اختری کو کہنا پڑا۔ بہتر ہے جو آپ کی مرضی ہو دہی کچھے۔ منت سماجت کی بھی خد ہے۔“

جعفری۔ آپ کیوں منت کرنی ہیں۔ میں خطادار ہوں مجھکو منت کرنا چاہئے آپ کا ائمہ ائمہ منت کرنے بھگو بھگو کے جو تیار مارنا ہے۔ میں اپنی سزا کو بینچ گئی، بس آپ معاف کچھے۔

اختری۔ اس دل توڑنے والی باؤں سے انکھوں میں آنسو بھر لائی۔ نادرتی یہ حال دیکھ کے اختری کو اٹھا لے گئی۔

جعفری۔ خانہ داری کا اہتمام اُسی طرح کرنی تھی جس طرح پہلے کرنی رہی تھی بلکہ زیادہ بفہمیت کے ساتھ جہاں کسی ماما اصل نے کسی قسم کی رعایت چاہی اپنے حصہ سے کچھہ زیادہ لینا چاہا، یا رخصت مانگی جعفری نے صاف کہدا یا۔

آپ میں اس گھر کی مالک نہیں ہوں، تمہاری طرح میں بھی پرائی تابعدار ہوں، مالک اختری بیگ ہیں، میں یہ کچھ جل کے نہیں کہی جس کو خدا دے۔ جہاں کسی ماما نے کہا حضور آپ آپ ہی ہیں ہم ہمیں ہیں، آپکی ہماری کیا، برابری، آپ وہ برابر... ہیں ہم تابعدار۔

جعفری۔ بو اکھر میں سنو یہ سچ ہے کہ میں تمہارے برابر نہیں ہوں مگر پرائی تابعداری میں شک نہیں، اچھا تو تم مجھے اس گھر کی دار دعہ مان لو۔ بس یہ میرا غہرہ ہے میں تمہاری افسوس ہوں تم سب میرے ماتحت ہو اور میں بیگم صاحبہ کی ماتحت ہوں۔

کرمیں۔ نہیں صاحزادی تم بھی مالک ہو دہ بھی مالک ہیں۔

جعفری۔ یہ جھوٹی خوشامد ہے (میں خود بدولت، اختری بیگم سے بھی کہہ پکی

ہوں کہ اگر اس مرتبہ پر محبوک ہیں گی تو میں کام کو حاضر ہوں نہیں تو میر استغفار ہے۔
کریں۔ وہ تو آپ کو اپنا بڑا سمجھتی ہیں با جی کہتے کہتے منہ خشک ہوتا ہے
دیکھئے وہ اس وقت نہیں ہیں مگر صاحبزادی ہم خداگفتگی کہیں گے۔ انہوں نے تو

آپ کے ہوتے کبھی حکومت نہیں جتا تھی۔

جعفری۔ یہ اُن کی ریاست ہے۔ اور با جی کہنے کو، جو کہو، تو پرانے لذکروں
کو بھی نوکر نہیں کہتے۔ میں تو خوش ہوں وہ مجھے دروغہ صاحب کہا کریں۔

اختری نے توزبان جل جائے جو کبھی یہ لفظ کہا ہو۔ ہاں نادری ہنسی میں

کہہ جاتی تھی۔

دروغہ صاحب آج آپ کیا یکواٹے گا۔؟ کہے بزار سے کیا خریدا گیا؟
جعفری۔ ہاں ہم بھی یہی کہو۔ میں کچھ چھڑھتی ہوں؟ یہ تو میری عین

خوشی ہے۔

غرض جعفری جس مرتبے کی تھی وہی مرتبہ اُس نے اختیار کیا۔ اختری کی دولت
مشت خوشامد اُسی کی ضد کے سامنے سب ہیچ ٹھہری، مضبوط ارادے کے لوگ ایسے
ہی ہوتے ہیں وہ اپنی بات کی کمی اور ضد کی پوری تھی۔ جب تک باپ کی دولت
سمجھ کے وہ اٹھا رہی تھی۔ اُس کو اختری داں کے خیال سے مفت خوری کا خرچ
وفضول معلوم ہوتا تھا۔ اُس کو باپ کی تباہی ساقلوں تھا وہ سمجھتی تھی کہ باپ کی تباہی
کا سبب اختری ہے۔ باپ کے بیہودش ہوتے ہی اُس کی رائے میں اختری کے
ساتھ رعایت کرنا گناہ تھا۔ جب سے اُس کو معلوم ہوا کہ معاملہ بر عکس ہے بلکہ اُن کے
والد خود اختری کے دستِ نگر ہیں وہ اختری کے مطبع بن کے رہنا پسند کرنی تھی یا
حکومت پر ائے مال پر اپنا تصرف ناجائز خیال کرتی تھی وہ اپنی حالت پر بہت جلد
راضی ہو گئی وہ اس حال میں اپنی تقدیر پر شاکر تھی۔ اُس کے چال چین میں صرف ایک

بات اخلاق کے خلاف تھی یعنی مراد علی سے ساز کر کے اختری کی حالت کی تفہیش اُسکی ماں کی قبر پر مراد علی کو بیٹھنا، مگر جعفری کوئی فرشتہ نہ تھی کہ اُس کی زندگی لغزشوں سے پاک ہوئی ایک پچھلے ہوتے بھید کے کھلنے ایک پہلی کے بو جھنے ایک معنے کے حل کرنے کا کس کو شوق نہیں ہوتا۔ خصوصاً ایسا معنہ جس میں اُس کے نزدیک اُس کے باپ کا روپ پسہ بہرہ باد ہو رہا تھا۔ نادرتی اختری سے مل گئے اچھی رہی اختری بھی اُس سے خوش رہی اور خود شید مرزا بھی۔ جعفری اپنے کھڑے پن کی وجہ سے اختری سے بھی بُری ہوئی اور باپ سے بھی۔ آخر کار اُس کو اختری کے ماتحت ہو کے زندگی بسر کر دنایا۔ اختری اُس سے صاف تھی۔ مگر اختری کی صفائی کی اُس کو پروانہ تھی۔ باپ کا دل کبھی صاف نہ ہوا۔ یہ جعفری کی تقدیر کہ اُس نے باپ کی خیرخواہی میں یہ ذلت برداشت کی مگر وہ اُس سے خفاہی رہی۔

نواب مرزا کے دوں بچوں کو نادرتی اور اختری نے بڑی خاطرداری سے رکھا۔ چارچار جوڑے کپڑے بنادیئے۔ کھلانے پینے کی کوئی سکھی نہ تھی پسے اٹھانے کے لئے تھے۔ لڑکے اچھی طرح بہل گئے۔

اختری۔ تم ہمارے پاس رہو گے؟

لڑکے۔ اس خاطرداری سے اُن کو کبھی بُرا خیال پیدا ہوتا تھا۔ کیوں کہ یہ خاطرداری نہ آئی تھی کہ ماں باپ کے ہوتے ہم کیوں یہاں رہنے لگے۔ اختری پہلے تو اس خیال کو نہ سمجھی تھی جب اُس نے اُن کو یہاں رہنے کا ذکر سُن کے بسوار تے دیکھا تو فوراً اُس کی سمجھہ میں آگی۔ ہائے بن ماں باپ کا ہونا کس قدر بلا گے غطیم ہے اس راحت دارام کی ہرگز ان بچوں کو پرداہ نہیں ہے یہ سمجھہ کے اختری نے یہ بُرا خیال بچوں کے دل سے ڈور کیا اب دہ اُن کے ماں باپ کے

آنے کا اکثر ذکر کرنے لگی اس تذکرہ سے بچے بہت خوش ہوتے تھے۔

خط کا انتظار تھا۔ بیکی سے چوتھے دن خط آتا ہے ابھی تو یہ لوگ پہنچے ہو گئے۔ ساتویں دن ان لوگوں کے بھیر و عافیت پہنچنے کا خط آیا۔ نواز مرزہ کی حالت ایسی نہیں ہے جس سے خدا نہ انسٹینٹ جان کا خوف ہو۔ زخم گھرے رکھتے۔ اب حالت اچھی ہے ابھی بات کرنے کی طاقت نہیں ہے نہ ڈاکٹر کی اجازت ہے کہ کوئی بات کرے، مراد علی بُر فقار ہے۔ رحیم بخش اور شرفوں کا حلیہ جاری ہے۔ بوٹن کی ماں بھی بیکی میں بھی گرفتار ہیں۔ بوٹن کا انطہار ہوا تھا وہ سخت انکار کرہی تھی، مراد علی نے ہرگز اس سے ملنے کو آگئی ہیں۔ بوٹن کا انطہار دیا اور ہم لوگوں سے بھی یہی کہتی ہے نہیں مارا۔ سب سمجھاتے ہیں، پولیس دھمکی دیتی ہے مگر وہ یہی کہے جاتی ہے کہ مراد علی نے ہیں مارا اس نے پولیس میں بھی یہی انطہار دیا اور ہم لوگوں سے بھی یہی کہتی ہے مگر اس کی بات کا کسی کو لقین نہیں ہے، مراد علی پر جرم ثابت ہے۔ صردوں سخت ستر ہو گئی۔ بوٹن کی حالت پر سب کو سخت افسوس ہے۔ اور غصہ بھی آتا ہے۔

نواب خورشید مرزہ۔ حکیم جعفر علی۔ امام علی خدمت گار اور ہر ہزار یہ سب میں قریب ۳ بچے پہنچے، حکیم جعفر علی پہلے نواب مرزہ کو دیکھنے کے مشتاق تھے بیکی میں قریب ۳ بچے پہنچے، حکیم جعفر علی پہلے نواب مرزہ کو دیکھنے کے مشتاق تھے مگر معلوم ہوا کہ بغیر اطلاع اور اجازت ڈاکٹر صاحب کے ملا غیر ممکن ہو گا۔ پولیس کے ذریعہ سے بوٹن کا پتہ ملا، حکیم جعفر علی نواب مرزہ کی بیوی کو ڈھونڈنے کے نکلے یہ آٹھ دن پہلے بیکی میں پہنچ گئی تھیں۔ پولیس اسپتال کے قریب ایک جھوٹے سے مکان میں پہلے اُتری بیکی وہاں جا کے معلوم ہوا کہ پولیس نے اُن کو شوہر کے پاس پڑھنے کی اجازت دیدی ہے مگر چونکہ مقدمہ سنگین ہے اس لئے بلا اجازت ڈاکٹر صاحب کی اجازت دیدی ہے۔ حکیم جعفر علی لکھنؤ کے سول سو ہزار کی ایک چھٹی لیتے گئے اُن سے بھی ملنا محال ہے۔ حکیم جعفر علی لکھنؤ کے سول سو ہزار کام آئی اُسی تھے اس میں ان کے اعزاز اور پیشہ طب ایجاد کا ذکر تھا۔ یہ پہنچی بہت کام آئی اُسی شب کو ملنا نہ ہو سکا مگر دوسرے دن آنحضرت بچے یہ پولیس اسپتال میں پہنچ گئے نبچے

تک ڈاکٹر کا انتظار کرنا پڑا۔ لذبے ان کو زخمی مریض کے پاس جانے کی اجازت ہوئی۔ حکیم صاحب کی خبر سن کے کمرہ کے دروازہ کے پاس آئیں۔

نواب مرزائی بیوی۔ آج تو انکو کھولی ہے مجھکو پہچانا، مگر ڈاکٹر کا حکم ہات کرنیکا نہیں ہے۔

حکیم صاحب۔ آپ ذرا پردہ کر لیجئے میں ڈاکٹر کی اجازت سے آیا ہوں۔

نواب مرزائی بیوی۔ آپ بھی تو حکیم ہیں۔ اچھا میں ہی جاتی ہوں، یہ کہہ کے نواب مرزائی بیوی گوشہ میں بیٹھ گئیں، حکیم صاحب اندر گئے۔

حکیم صاحب کو نواب مرزائی نے فوراً پہچانا۔ حکیم صاحب بلنے زخم دیکھے ایک زخم پائیں گال پڑتا۔ ایک ماتھے پر، سرد جگہ سے ٹھل کیا تھا، نواب مرزائی صورت ہی بدلتی تھی۔ کہاں دہ دجا ہست مُنہ پر ایک جھری نہ لکھی کشتنی بدن تھا بالکل ضعیف ہو گئے۔ خون سیروں بہہ گیا۔ بڑھوں کا سامنہ ہو گیا۔ کلے پچکے ہوئے عجب حالت تھی۔ مگر یہی شکر تھے کہ جان نجگئی زندگی ہے تو پھر تو انہوں جائیں گے یہ کس کو یقین تھا کہ زندہ دیکھیں گے۔ نظم لئے قتل کا ارادہ کیا تھا۔

حکیم صاحب۔ نواب مرزائی صاحب آپ پر ٹراسٹ ہو۔ لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے آپ کے اہل و عیال پر اللہ نے زخم کیا۔ آپ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آپ بہت جلد صحیح و سالم ہو جائیں گے۔ خورشید مرزائی صاحب بھی آئے ہیں کل شاید آپ کے دیکھنے کو آئیں گے۔

نواب مرزائی۔ مجھے تھوڑی دیر کے بعد تیور آتا ہے سر میں درد ہے مگر خفیف ضفت بہت ہے۔

حکیم صاحب۔ آپ کی ہمت تو یہی چاہتی ہے کہ ابھی الٹھکڑے ہوں مگر ابھی شاید ایک ہفتہ تک آپ پنگ سے اُٹھنے کے قابل نہیں ہوں گے اور ہوں بھی تحرکت

کرنے ملنا نسبت نہیں ہے خدا نخواستہ زخمیوں نے خون دے دیا تو لفستان پنچیکا، یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ لمزم حوالات میں ہے۔

لواٹ مرزا۔ (نہایت افسوس کے ساتھ) جی ہاں معلوم ہوا۔ مگر حکیم صاحب آپ سعی کریں کسی قسم کی سختی نہ کی جائے۔ یقیناً مجنون ہے اور شریعت بھی مجنون مروع القلم ہے۔ قانون کا بھی یہی مشاہدے۔ پھر تھوڑی دیر تھوڑے کے سب میری محنت رائگاں ہوئی، مرآد علی فرار ہو گیا۔

حکیم صاحب۔ (مشجب ہو کے) مرآد علی تو گہر قمار ہے اُسی نے تو آپ کے قتل کا قصد کیا ہے، یہ آپ مجنون کس کو بتا رہے ہیں۔

لواٹ مرزا۔ (چونک کے)۔ نہایت جوش کے ساتھ جس سے حکیم صاحب کو خون ہوا کہ زخم نہ پھٹ جائیں، گویا اُٹھنے کا قصد تھا، حکیم صاحب نے زدرے سے ہاتھ پکڑ کے روکا، نہیں میں اُٹھوں گا نہیں، مگر آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ مرآد علی کو چور بد معاشر جو جو چاہتے کہئے اور وہ سخت ستر اکا مستوجب ہے مگر اس جرم سے اُس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجھکو اُس نے نہیں مارا۔

حکیم صاحب کو یقین نہ ہوا، معلوم ہوا بجا ناچاہتے ہیں۔ اچھا تو ہوا کیا؟ لواٹ مرزا۔ میں اُس منحوس ہٹول کے روکار کا نقشہ بنار ہاتھا۔ اتنے میں لک شخص اپنی جس کو میں نے عمر بھر نہیں دیکھا تھا آکے دفعہ مجھ پر برس پڑا۔ ایک لوہا لگا ڈنڈا اُس کے ہاتھ میں تھا جب تک سنبھالوں تین چار ڈنڈ پڑ گئے۔

حکیم صاحب۔ ممکن ہے کہ مرآد علی بھیں بدل کے آیا ہو۔ کسی اور آپ سے کیا سروکار تھا۔

لواٹ مرزا۔ مرآد علی ہرگز نہیں تھا وہ کسی بھی میں ہوتا میں اُس کو پہچان لیتا۔ مرآد علی جوان ہے۔ وہ شخص جس نے مجھکو مارا ہے بوڑھا تھا۔ میاں نے قد سے

کچھہ ہی کم۔ سر کے بال سفید بہت چھوٹے حصے آٹھ دن مر منڈانے کے بعد ہوتے ہیں۔ چھڑہ گورا سرخی لئے ہوئے، میں نے اُسکو اچھی طرح دیکھا جیسے اسوقت آپ کو ریکھ رہا ہوں، دائمی مجھ سے اُسکو کوئی عرض نہ تھی۔ میں کہتا ہوں، وہ دیوانہ تھا۔

حکیم صاحب۔ (کو اب تک یقین نہیں ہوتا، نواب مرزا نے اپنی جوانمردی سے مرآد علی بچانے کے لئے یہ حکایت تصنیف کی ہے،) جناب میرے سمجھہ میں یہ بات نہیں آتی۔

نواب مرزا۔ میں خود حیران ہوں۔ میں بیٹھا نقشہ بنارہا تھا۔ اتنے میں وہ شخص آیا پہلے کچھہ بڑھا ایسا جس کو میں نہیں سمجھا، پھر کچھہ ماں بہن جور و کا ذکر کرایا۔ بھی میرے ہم میں نہیں آیا میں نقشہ بنانے میں ایسا محو تھا کہ میں نے بالکل تو جنہیں کی، نہیں کچھ جواب دیا جس سے وہ ٹل جائے اُس نے ایک ڈنڈا رسید کیا جو میرے منہ پر ٹرا بھی اس ضرب سے میں سنبھلانہ تھا کہ دوسرا سر پر جمایا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کے روکنا چاہا مگر اب میں تیوار گیا تھا۔ شاید اس حالت میں اُس نے ایک اور وار کیا۔ میں بہوش ہو چکا تھا۔ پھر خدا جانے کیا ہوا۔ آپ کہیں گے کہ مار گھایا کئے اور تم سے کچھہ نہ ہو سکا۔ اول تو میں نہ تھا تھا، دوسرے بلے خبر، تیسرا دوہ کھڑا تھا۔ میں بیٹھا ہوا تھا، اس کا پورا دار مجھ پر ٹسکتا تھا جب تک اُنھوں اُنھوں وہ اپنا کام کر چکا۔ مجھ سے بہت بڑھا تھا۔ مگر آدمی گھٹیلا اور کثرتی معلوم ہوتا تھا اگر دونوں ایک حالت میں ہوتے تو شاید وہ مجھ سے نہ جیت پاتا۔

حکیم صاحب۔ (بالکل حیرت میں تھے مگر نواب مرزا کی انداز تقریب سے معلوم ہو گی کہ بیان واقع ہے یا کم از کم جو یہ سمجھے وہی بیان کرتے ہیں جان پوچھ کے غلط بیانی کا شبہ دور ہو گیا) اچھا مانا کہ مرآد علی بے قصور ہے۔ پھر کیا کیا جائے، اب

دہی گرفتار ہے۔ حتی الوضع اس الزام سے بچانے کی کوشش کی جائے گی، انکر سرکا
دعی ہے۔

لواز مرتضیٰ - گرفتاری تو بے جا نہیں ہے معاملات صاف ہو جائیں گے
خیر ہماری آپ کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔ اور بھی کچھ سنا آپ نے مرآد علی تدوین
پر میں راضی ہو گیا تھا۔ اگرچہ یہ رعایت مرآد علی کی ذات سے نہ تھی، اُس کی جو رد
کے رو نے پر مجہہ کو ترس آگی۔ بہت کم سن کسی شریف کی لڑکی ہے۔ افسوس!
حکیم صاحب۔ تو کیا اُس کی جو رد نے آپ سے اپنے شوہر کی سفارش کی تھی؟
لواز مرتضیٰ - جی ماں، اُسی کی وجہ سے میری یہ گت ہوئی۔ نہیں تو میں
مرآد علی کو مع مال مسرودہ لکھنؤ گھست کے لیجاتا۔
حکیم صاحب۔ لکھنؤ سے اُس کے فرار ہونے کی آپ کو اطلاع ہو گئی تھی،
اور یہ بھی معلوم تھا کہ مال لے کے بھاگا ہے۔

لواز مرتضیٰ - میں نے اُس کا پیچھا نہیں چھوڑا سایہ کی طرح ساکھ رہا۔ لکھنؤ میں
اُس نے مجہہ کو خوب جھکائیا دیں۔ میں بھی سایہ کی طرح اُس کے پیچھے پیچھے رہا۔ پہلے
تو اُس کو میرا حال معلوم نہ ہوا۔ پھر اُس نے مجہہ کو دیکھہ لیا کہ یہ میری ٹوہ میں ہیں، دو
تین مرتبہ نوبت گفتگو کی بھی آئی مار پیٹ ہوتے رہوئے رہ گئی میں تو چاہتا تھا کہ فوجداری
ہو جائے تو کل حال کھل جائے گا، مگر وہ بڑا ہو شیار ہے اس کی نوبت اُس نے خود
نہ آلنے دی، ایک دن کا واقعہ سُننے۔

یہ ہبہ جن کی کوٹھی کی طرف جھپٹا ہوا چلا جاتا تھا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھا،
دہاں سے بکل کے مجھے خیال ہوا شاید لواز خورشید مرتضیٰ کے مکان کی طرف متعالی خالی
کی سر اجائے اُس نے کالکوں سے چوک کا راستہ لیا پھر جھنگ کا مل کی کوٹھی میں گیا پھر
اور دو ہبہ جنوں کی کوٹھی میں گیا جن کو میں نہیں جانتا۔

حکیم صاحب - جہاں جہاں نواب صاحب کی دھر در ہتی اس کو سب کو معلوم کھا۔ آئی دن اُس نے سب نوٹ اور جواہرات قابویں کے تھے۔

نواب مرزا - میرا بھی یہی خیال تھا۔ افسوس خور شید مرزا صاحب سے مجھ سے تعارض نہ تھا۔ درستہ فوراً اُن کے پاس جائے اطلاع کرتا۔

حکیم صاحب - تو کیا ہوتا، نواب صاحب کو وہ سمجھا دیتا کہ مجھے خون ہے کہ ہما جن دیلوالیہ نہ ہو جائیں۔ اس لئے آپ کامال نکال لیا، نواب صاحب اُس کے کہنے میں تھے، ہاں پھر کیا ہوا۔ آپ کی بات رہی جاتی ہے۔

نواب مرزا - یہ اپنے گھر کی طرف چلا، آپ کو معاوم ہے کہاں رہتا تھا۔

حکیم صاحب - دہی اپنے چھپا کے مکان میں گھر یا لی کے پاس۔

نواب مرزا - جی نہیں اُس نے وہ مکان چھوڑ دیا تھا، اب اپنے غار کے کے میدان کے قریب تنگ و تاریک گلیوں میں اُس نے ایک مکان کرایہ پر لیا تھا۔ ٹری مشکل سے پتہ لگا، غرض یہ مکان میں گھس گیا، میں باہر ٹھہرا رہا۔ مجھے خیال تھا کہ یہ فرار ہوا چاہتا ہے اس لئے کہ سب مال، میری رائے میں اس کے قبضہ میں تھا اب ٹھہر لئے میں اندر یشہ تھا۔ میری رائے غلط نہ تھی یہی واقعہ تھا۔ جب یہ چیز مل کی ددکان سے نکلا ہے اس کے پاس ایک چھوٹا صندوق تھا۔ چوک میں آئے اُس نے کہ مجہہ کا بیگ لیا۔ جس میں کنجی قفل ہوتا ہے۔ شاید دس بارہ روپے کو آتا ہے خرید کیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے دیسے ہی ایک بیگ کی قیمت دریافت کی معاوم ہوا۔ بھی ایک بیگ بارہ روپیہ کو بکا ہے، دوسرا اُسی کے جوڑ کا تھا۔

یہ مکان سے نہ نکلا، میں نے پانچ بجے تک انتظار کیا، سخت پریشان تھا، سری کا موسم تھا۔ کچھ ترشی بھی ہو رہا تھا۔ گلی میں تاریکی ہو گئی تھی۔ میں نے مارے سردی کے جیبوں میں ہاکہ دال لئے۔ چھتری بھی پاس نہ تھی، کوٹ کا کالر پٹ لیا۔ اب

رات ہو گئی۔ ساری ہے ہجھے گھر کا دروازہ گھلا۔ مرآہ علی تو نہیں نکلا ایک لوند اکلا سا ہاتھ میں چلم لئے شاید آگ کی تلاش میں نکلا۔ میں نے دریافت کیا کہ منشی جی کیا کرتے ہیں۔ اُس لڑکے نے کہا وہ گئے بھی۔

اب میں سخت چیران ہوا آخر جلد علد قدم بڑھا کے سرک پر آیا دیکھا ایک یکہ پرسوار ہو رہا ہے۔ میں بھی اُسی یکہ پر جا بیٹھا، اب ہم دونوں چیکے بیٹھے، گویا ایک دوسرے سے کوئی مطلب نہیں۔ اکہ دکٹور پنچ کی سرک سے اسٹینشن پھوٹھا، یہاں میں نے اُس کو خورشید مرزا کے مکان پر چلنے کو مجبور کیا آخراً اُس کو پیٹنا پڑا، اسٹینشن سے سی بھا چلا آیا مگر نخاس کے پل پر آکے اکہ سے کو دیڑا۔ اُس کے اُترنے کے تھوڑی دیر کے بعد میں بھی اکہ والے کو کرایہ دے کے اُترنا۔ پھر دوڑ کے اس کا پیچھا کیا، یہ پھر اپنے مکان پر آیا۔ اپنے بھر میں لھس گیا۔ مکان میں جاتے وقت اُس نے انناکہا آپ بیکار میں پیچھے پڑ گئے ہیں۔ اچھا اب میں آپ کے ساتھ چلوں گا جہاں جی چاہے چلے، مگر تھوڑی دیر اس گلی میں پہلی قدمی کیجئے۔ میں حاضر ہوتا ہوں۔ مگر یہ مجھہ کو پہلی مرتبہ خیال نہیں آیا تھا کہ جس مکان میں یہ رہتا ہے اس کا دوسرا دروازہ بچھوار ہے ہے۔ اب میں نے بڑی دیر انتظار کیا، آخر اور دروازے پر آواز دی، دہی کالا سالوںڈا نکلا۔ آپ کس کو پوچھتے ہیں، میں نے کہا منشی جی کو۔ لوند۔ کون منشی جی؟ میں سخت برہم ہو کے مرآہ علی کو اور کس کو۔ لوند اوہ گئے بھی۔

میں، کہیں نہیں مر گئے میرے سامنے مکان میں گئے تھے جب سے میں پہیں کھڑا ہوں۔

آپ خود آکے گھر میں دیکھ لیجئے، دوسرے دروازہ سے چلے گئے۔ میں مکان کے اندر تو نہیں گیا۔ اس لئے کہ پرانے مکان میں بلا اجازت جانا اچھا نہ تھا،

مکان بھی دشمن کا مگر دوسری طرف سے جا کے دوسرا اور دروازہ دیکھ لیا۔
 اپنی غلطی پر سخت افسوس کیا، مگر کیا کرتا مجبور تھا۔ پھر میں نے سڑک پر آئے اسٹین
 کا قصید کیا، مینہ برس رہا تھا اکہ سخت مشکل سے ملا۔ عرض اسٹین عین وقت پر
 پہنچا۔ اگر دو منٹ اور نہ پہنچتا تو پھر مراد علی کا سُراغ نہ ملا۔ آخر اسی کے ساتھ
 ساتھ میں بتی تک آیا یہاں یہ آفت ہوئی، ہاں یہ کہنا بھول گیا کہ وہ بیگ جس میں
 مال تھا میں نے قابو میں کر لیا تھا۔ میرے بے ہوش ہونے کے بعد خدا جانے کیا ہوا۔
 حکیم صاحب، الواقعی آپ نے سخت تخلیف اٹھائی، اختری کو آپ کے زخمی
 ہونے کا سخت صدمہ ہے۔ مجھہ کو روزانہ تاریخی کو کہا تھا۔ آب آپ سے خست
 ہو کے جاتا ہوں تاریخیاں ہوں۔ خدا حافظ۔

بأب

حکیم صاحب نے تار دیا، پھر ہوٹل میں آئے، خورشید مرزا مرآد علی سے ملنے کے لئے حالات لگئے تھے، ایک بار سڑک کو ساتھ لے لیا تھا، مرآد علی نے اُس بیگ سے بہت سا مال علیحدہ کر کے اپنے منی بیگ میں رکھ لیا تھا، اگر فتاری کے وقت وہ بھی لے لیا گیا تھا۔ نواب مرزا کے پاس جو بیگ تھا وہ بھی پولیس کی حفاظت میں تھا۔ یہ سب عدالت نے خورشید مرزا کو دیدیا۔ مرآد علی نے خیانت مجرمانہ کی سزا سے بچنے کے لئے بخوبی کل مال حوالہ کیا، صرف ہزار روپیہ ذات خاص کے خورشید مرزا نے واپس دیئے وہ بھی پولیس کی حفاظت میں رکھے گئے، بوٹن حالات کے قریب ایک کوٹھری میں اکیلی پڑی ہوئی تھی۔ حکیم صاحب بڑی مشکل سے پتہ اگاکے پہنچنے کے آئے کا حال بیان کیا اُس نے جانے سے انکار کیا۔ آخر ہر مرزا بوٹن کی ماں کو جواب ہر مرزا کے ساتھ تھیں لے کے بوٹن کے پاس گئیں، آخر ماں جبل کے لپٹ گئی۔ ہائے بجھی یہ تو لے کیا اندھیر کیا، ارے ہم نے کس محنت سے پالا پرورش کیا کہ بخت تجھلکو کچھ بھی خون خدا نہ ہوا۔ باپ ایسا چاہئے والا باپ جو صورت دیکھ کے جیتا تھا۔ تو لے جیئے جی مار ڈالا، آئے تو ہم خدا جانے کہاں مارے ارے پھرتے ہوں گے وہ اپنے ہوش ہی میں نہیں ہیں۔

بوٹن کے منہ میں جواب نہ تھا۔ سولئے رولنے کے۔

ماں۔ ارے ایک اچکے چور بدمعاش جس کو نہ چوری کرتے دیر لگی نہ ایکا

غیر کو مار دالنے میں کوئی کسر رکھی۔

بوٹن۔ یا تو روہر ہی تھی یا فوراً، اماں چور یا بد معاش جو جی چاہتے کہو مگر اُس نے ماں را نہیں۔ اس مقدمہ میں وہ بال محل بے قصور ہے۔

ہر مرزی۔ اب تو اُس پر ثابت ہے اور کون ہوتا۔ ممکنی آپ کو کیوں کر خبر ہوئی؟۔

بوٹن۔ بیٹی بڑی بات کہیں چھپی رہتی ہے۔ پہلے میں لکھنؤ آئی تھی، اسٹین ہے محل کے ایک پیل کے درخت کے نیچے بیٹھی روہر ہی تھی۔ اتنے میں ایک مسافر وہی آکے کھڑا ہوا اُس نے حال پوچھا، میں اس سے کہہ رہی تھی۔ ایک ریل کا قلی دہی آکے چلم پہنچ لگا۔ وہ چیکا سنا کیا، پھر چلا گیا۔ کنوئیں کی جگت کے پاس ایک عورت اور ٹھیک بیٹھی تھی، میں نے اُس کی شکل نہیں دیکھی۔ مجھہ میں اتنے حواس کہاں تھے قلی اُس عورت سے کچھہ باتیں کہا رہا۔ پھر میں نے دیکھا اُس عورت نے بوٹے سے کچھہ نکال کے قلی کو دیا اور وہاں سے آٹھ کے چلی گئی اور وہ مسافر جو میرے پاس کھڑا تھا وہ بھی اُسی طرف کو چلا گیا۔ قلی اُن کے جانے کے بڑی دیر کے بعد آپا مجھ سے کہا بڑی بی مہاری بیٹی بنتی گئی ہے۔ ایک مرد اُس کے ساتھ تھے اب میں نے اندازہ کیا کہ ہوتا ہو وہ شرفو ہے، مجھ کی معلوم تھا کہ یہ کسٹنی یہاں بیٹھی ہے نہیں تو مولیٰ کو فوراً گرفتار کر دیتی۔ وہ بھی اُس سے کچھہ لے مرا ہو گا اُس سے، جب وہ چلی گئی جب مجھہ کو خبر دی، آخر میں بیسی کاٹکٹ لے کے یہاں پہنچ گئی۔ ٹہنی مشکل سے تم لوگوں کا پستہ ملا۔ بوٹن کے باپ پہلے ہی لکھنؤ آئے تھے آخر میری مانتانے نہ مانا میں بھی چل کھڑی ہوئی۔

حکیم صاحب۔ دردازہ کے قریب یہ سب بیٹھے سُن رہے تھے۔ آخر ان کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا۔ فوراً بوٹن کی ماں سے پوچھا ذرا مجھ سے اپنے شوہر کا

صلیہ تو بیان کیجئے شاید میں تلاش کر سوں، بوئن کی ماں نے بیان کیا، گورے ہیں تھے
و سفید رنگ ہے، قد کے بہت لمبے نہیں ہیں، بہت ٹھکنے بھی نہیں ہیں۔

حکیم صاحب - لوا آپ مرزا نے یہی صورت بیان کی تھی یہ اور آفت ہوئی۔

ضرمد سرزا ہو جائے گی، بیٹی کا صدمہ ایک طرف ایک شریف آدمی دوسرا بلا میں بنتا
ہوئے۔ غصہ میں کچھہ خیال نہ آیا اچھی طرح دریافت نہ کیا۔

حکیم صاحب - بوئن سے اچھا ذرا اتنا تو بتا دو لوا آپ مرزا صاحب سے تم سے
کہاں باشیں ہوئی تھیں۔

بوئن - ذرا بھی جھیک کے شاید اس کا خیال بھی اصل واقعہ کی طرف فوراً پہنچ گیا
لوا آپ مرزا صاحب ہو مل کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے میں بھی موقع پا کے وہیں چل گئی
تھی۔ وہ بیچارے بڑے نیک آدمی ہیں جو میں نے کہا فوراً مان لیا۔

حکیم صاحب - لبس مجھے اتنا ہی دریافت کرنا تھا، سخت مشکل کا سامنا ہے۔

ہر مرزی - ابھی تک تو یہی سمجھہ رہی تھی کہ بوئن مراد علی کو بچانے کے لئے جھوٹ
کہہ رہی ہے کہ وہ بے گناہ ہے مگر اب اصل واقعہ کی طرف اُس کا بھی خیال رجوع ہوا۔
بوئن کی ماں فوراً بات کی تھے کو پہنچ گئی، سرپیٹ کے، ہے کم بخت پیدا ہوتے
ہی مر جاتی۔ جہاں ادر چارہ کو روپیٹ کے بیچھہ رہی تھی اس کو بھی روپیتی۔ اس ضعیفی
میں باپ کو کس آفت میں ڈالا۔

حکیم صاحب - آپ گھر ایتے نہیں۔ لوا آپ مرزا کو آپ نہیں جانتیں وہ فوراً
راضی نامہ دیدیں گے، ہر طرح کی رعایت کی جائے گی۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ سرکار مدعی
ہے۔ خیر جو کچھہ ہو سکے گا کیا جائے گا۔

حکیم صاحب - ان سب کو ہو مل میں لے گئے، خود شید عزم اصحاب بھی آگئے
تھے، انھوں نے بیان کیا کہ مراد علی نے کل کاغذات نوٹ نیو رجواہ رسپ حوالہ

کرم دیا۔ کہ ہی کیا سکتا تھا۔ اُس کا ہزار روپیہ سرکار میں محفوظ ہے۔
حکیم صاحب۔ لیکن اس مقدمہ میں کیا ہوگا۔

خورشید مرزا۔ رابھی بوٹن کے واقعات سے بے خبر رکھتے، مراد علی اس جرم سے انکار کرتا ہے مگر شہادت اُس کے خلاف ہے۔ ہوٹل کے آدمی نے گلا گھونٹے دیکھا ہے۔ کئی بار لذابت مرزا میں اور مراد علی میں سخت گفتگو ہو چکی تھی اس کی بھی شہادت ہے۔ بیگ نواب مرزا نے چھین لیا تھا وہ اُن کے اس باب سے نکلا، کنجی مراد علی کے جیب سے نکلی۔ عدالت کو پورا دادعہ تو معلوم نہیں مگر یہ تیاس کیا گیا ہے کہ معاملات زر کی تکرار کھی۔ اُس عورت کو جس کا نام بوٹن ہے نواب مرزا سے بائیں کر لے دیکھا گیا ہے۔ عرض نہ کیا یہ سب واقعات سے لذابت مرزا اور مراد علی میں خصومت کا ثبوت ملتا ہے۔ مراد علی کو سخت سزا ہوگی۔ میری شہادت کی بھی نوبت آئے گی، ان سب عورتوں کی شہادت ہوگی۔ کوئی صاحب محسن علی۔ بھی ہیں، ان واقعات کے سلسلہ میں محل شام سے گرفتار ہیں۔

حکیم صاحب۔ گھبرا کے محسن علی کو فائز ہو گئے۔

خورشید مرزا۔ کیا آپ محسن علی کو جانتے ہیں؟

حکیم صاحب۔ محسن علی ہر مرزی کے ماموں ہیں۔

خورشید مرزا۔ اُن سے کیا واسطہ۔ باں اب میں سمجھا یہ بوٹن انھیں کی صاحبزادی ہیں۔

بوٹن کی ماں۔ حضور ہاں اس نامراہ بیٹی کی بدلفیب باپ دہی ہیں۔ دیکھئے بڑھاپے میں کیا قسمت کا لکھا پورا ہوتا ہے۔

خورشید مرزا۔ سخت انسوس کر کے، آپ خاطر جمع رکھئے لذابت مرزا کا ری نامہ ہو جائے گا۔ میں بارہ ستر سے کہا دوں گا، ہر طرح اُن کے بچائے لے کی کوشش